بسم اللہ الرحمن الرحیم

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون

مسئلۂ عدمِ نسخِ قرآن

از

شمس المفسرین خادم القرآن بحر العلوم

حضرت محمد عبد القدیر صدیقی حسرت

پروفیسر و سابق صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ

باہتمام محمد عباس علم بردار صدیقی

Rs 06=00

حسرت اکیڈمی پبلیکیشنز

صدیق گلشن بہادر پورہ حیدرآباد ۵۰۰۲۶۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مَا نَنسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا

ع

مسئلہ عدم نسخ قرآن

مقالہ

بحر العلوم علامہ حضرت محمد عبد القدیر صدیقی حسرتؒ

(۱۲۸۸ھ تا ۱۳۸۱ھ)

پروفیسر و سابق صدر شعبۂ دینیات جامعۂ عثمانیہ

باھتمام:

محمد عباس علمبردار صدیقی

ناشرین:

حسرت اکیڈمی پبلیکیشنز

صدیق گلشن۔ حیدرآباد

بار سوم (۱۰۰۰)　　شوال المکرم ۱۴۱۵ھ　　قیمت:

(جملہ حقوق محفوظ)

Rs 10

مسئلہ عدم نسخ قرآن

فہرست مشتملات

عنوان	صفحہ
نسخ کے لغوی معنی	۳
ناسخ و منسوخ کی بحث کیا ہے؟	۳
اصولِ فقہ میں نسخ کے معنی	۴
مفسرین کے مخصوص آیتوں کو منسوخ ماننے کے اسباب	۴
(۱) زمانۂ جاہلیت کے رسوم و عادات یا سابقہ مذاہب کے احکام کا نسخ	۴
(۲) عام حکم اور خاص حکم	۴
(۳) مختص المقام اور مختص الوقت قوانین	۴
عدمِ نسخ سے متعلق اہم آیت۔	۵
(۴) کسی دائمی حکم کا مقصد منسوخ نہیں کیا جا سکتا	۵
روسیوں کا واقعہ	۶
احکام پر عمل آوری کیلئے نومسلموں کے بارے میں تدریج کی ضرورت	۶
(۵) قانونی اور اخلاقی احکام	۶
(۶) ذو معنی جملہ میں متکلم کے مطلب کا لحاظ۔	۶
(۷) خاص واقعہ کے حکم میں اتفاقی قید	۷
(۸) مخصوص حکم کا تعدیہ	۷
(۹) مکی اور مدنی حالات کا فرق	۷
ناسخ و منسوخ سے متعلق دو اہم آیتیں:	۸
پہلی آیت: ما ننسخ مِن آیۃ.....	۸
حضرت علیؓ کا ایک قاضی سے سوال۔	۸
دوسری آیت: لکم دینکم ولی دین۔	۹
وہ آیتیں جنکو شاہ ولی اللہؒ نے منسوخ جانا ہے۔	
• پہلی آیت ترکہ کے بارے میں، • دوسری آیت جنگ کے بارے میں دشمن کی تعداد	۱۰، ۱۱
• تیسری آیت جہاد کے بارے میں • چوتھی آیت زانی اور زانیہ کے بارے میں۔	۱۲
• پانچویں آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کے بارے میں۔	۱۳
• آیتِ سیف سے دشمنوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی نفی نہیں ہوتی۔	۱۴
• بعض مفسرین کی غلطی۔	۱۴
	۱۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ عدمِ نسخ قرآن

نسخ الشیء ینسخه نسخاً ازاله۔ اس نے شے کو زائل کردیا۔
یُقال نسختِ الشمسُ الظلَّ والشیبُ الشبابَ ای ازاله دھوپ
نے سایہ کو، بڑھاپے نے جوانی کو زائل کردیا۔ و نسخت الریحُ اثار الدار غیّرتھا۔
ہوا نے گھر کے آثار کو کھنڈر و متغیر کردیا۔ وفلانٌ الشیءَ ابطله۔ اور فلاں نے اس شے کو
باطل کردیا۔ واقام شیئاً اٰخر مقامه۔ اور ایک دوسری شے کو اس جگہ قائم کردیا۔

قرآنِ شریف کی آیتوں اور احکام کے منسوخ ہونے میں اختلاف ہے۔ قرآنِ شریف کے
تمام ادیان و مِلل اور جاہل اقوام کے رسوم و عادت و احکام کے ناسخ ہونے میں، ان میں تغیّر
پیدا کرنے میں، نہ ہم کو نہ کسی اور کو کوئی اختلاف ہے۔ ان مفسرین کے اختلافات کا نتیجہ یہ ہوا
کہ بعض کے پاس آیاتِ احکام میں سے آدھے ناسخ و منسوخ ہیں۔ چنانچہ اس موضوع پر بڑی
بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ابن العربیؒ نے اس تعداد کو گھٹایا۔ حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ
نے منسوخ آیتوں کی تعداد اکیس (۲۱) تک مانی۔ حضرت شیخ احمد بن عبدالرحیم شاہ ولی اللہؒ نے
صِرف چار پانچ تک مانی۔ میرے خیال میں قرآن کا کوئی حکم، کوئی آیت منسوخ نہیں۔
شاہ صاحب نے ان اکیس ۲۱ آیتوں کے نسخ کے جو جوابات دیے ہیں، ان کی تفصیلی شرح
میں نے ایک مستقل رسالہ میں کی ہے۔ اس موقع پر صِرف غلط فہمی کے اسباب مجمل طور پر بیان کرونگا
اور ان پانچ آیتوں کو بھی نسخ کے جھگڑے سے نکال لوں گا جن کو شاہ صاحبؒ بھی منسوخ
ماننے پر مجبور ہوئے۔ اس طرح ان کے علمی خاندان کا ایک شخص اُن کے مقصد کو پایۂ تکمیل

تک پہنچادے گا۔ وللہ الحمد۔

قدیم زمانہ میں نسخ کے معنی تغیر کے لئے جاتے تھے۔ پچھلی آیت کے حکم میں کچھ تغیر دیکھتے تو کہہ دیتے کہ یہ آیت اس آیت کی ناسخ ہے۔

اصولِ فقہ میں پہلی آیت کے حکم کو باطل کرنا اور اس کے عوض دوسرا حکم قائم کرنا نسخ ہے اور اس وقت عامۃ الناس نسخ کے یہی معنے لیتے ہیں۔

اس کے بعد واضح ہو کہ مفسرین کے اس قدر کثیر التعداد آیتوں کے منسوخ ماننے کے کیا اسباب ہوئے۔

(۱) قرآنِ شریف سے زمانۂ جاہلیت کے رسوم و عادات یا سابقہ مذاہب کے حکم موقوف کر دیئے گئے ہوں یا ان میں تغیر کیا گیا ہو تو سابقین کہہ دیتے ہیں کہ یہ آیت ناسخ ہے۔ مگر غور کیجئے کہ یہ آیت کیا کسی آیت و حکمِ قرآنی کی بھی ناسخ ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہمارے زیرِ بحث تو آیات و احکامِ قرآنی کی منسوخیت ہے نہ کہ سابقہ رسوم و عادات اور احکام کا منسوخ ہونا۔

(۲) بعض وقت ایک عام حکم دیا جاتا ہے اور خاص حالات پر خاص حکم دیا جاتا ہے، اگر عام حکم کے ساتھ ہی وہ خاص حکم ہو تو اس کو استثناء کہتے ہیں۔ اور اگر کسی دوسرے موقع پر خاص حکم دیا جائے تو اس کو تخصیص کہتے ہیں۔ استثناء اور تخصیص کو عام حکم کا ناسخ کہنا درست نہیں۔ تعزیراتِ ہند و دکن کے شروع میں مستثنیاتِ عامّہ بیان کئے گئے ہیں، تو کیا اس سے تمام تعزیرات کا ایک قانون منسوخ شدہ ہونا ماننا پڑے گا؟ ہرگز نہیں۔ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا... (سورۃ والعصر) کیا اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ کا حکم منسوخ ہو گیا؟ ہرگز نہیں۔

(۳) قوانین مختص المقام بھی ہوتے ہیں اور مختص الوقت بھی۔ وقت گذرنے کے بعد وہ وقتی حکم باقی نہیں رہتا کیوں کہ اُتنے ہی وقت کے لئے یہ حکم دیا گیا تھا نہ کہ وہ حکم منسوخ ہو گیا۔ مثلاً چار روز کے لئے کرفیو آرڈر جاری ہوا تھا۔ مدّت گذرنے کے بعد

وہ حکم باقی نہیں رہا۔ اس صورت میں یہ کہنا کہ وہ حکم منسوخ ہو گیا' درست نہیں' بلکہ ختمِ مدت کی وجہ سے وہ حکم باقی نہیں رہا۔

اب میں عدمِ نسخ پر ایک اہم آیت کو پیش کرتا ہوں جو اس مسئلہ پر نہایت روشنی ڈالے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ..... (آل عمران : آیت ۸۱)

(اور یاد کرو جب ہم نے تمام پیغمبروں کا عہد لیا تھا' ہم نے تمھیں کتاب اور حکمت عطا فرمائی ہے' پھر تمہارے پاس ایک رسول آئے جو تمہارے پاس جو کتاب ہے اسکی تصدیق کرتا ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ اور اس کی نصرت و مدد کرو۔ پھر ارشادِ الٰہی ہوا کیا تم نے اس کا اقرار کر لیا اور اس کا ذمہ لے لیا ؟ سب نے عرض کیا بیشک ہم نے اقرار کر لیا)۔

ذرا اس آیت پر غور فرمایئے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے انبیاء[ع] کے ادیان وقتی تھے۔ جب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ان کا وقت ختم ہو گیا۔ اس تحقیق پر تمام انبیاء[ع] کے ادیان بھی منسوخ نہیں ہوتے بلکہ ان کا وقت نہ رہا اس لئے وہ احکام بھی باقی نہیں رہے۔

(۴) بعض دفعہ ایک دائمی حکم دینا مقصود ہوتا ہے مگر عمل یا اجتناب میں آہستہ آہستہ سختی بڑھائی جاتی ہے' یہاں تک کہ حکمِ مقصود پر عمل کرنے کی لوگوں میں قابلیت پیدا ہو جائے۔ یہ کمالِ حسنِ تعلیم و تربیت ہے۔ ہمارے خیال میں ان ابتدائی مراحل کو منسوخ نہ کہنا چاہیئے۔ بلکہ اصل حکم کا توطیہ و تمہید سمجھنا چاہیئے۔ اصل مقصود وہ حکم سمجھا جائے گا جو ہمیشہ کے لئے دیا جائے گا۔ مثلاً شراب دفعۃً حرام نہیں کی گئی۔ پہلے کہا گیا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى.... (النساء : آیت ۴۳)۔ یعنی شراب پیئے ہوئے نماز کے قریب نہ جاؤ۔ پھر کئی مرحلوں کے بعد شراب حرام کی گئی۔ پس لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ.. الخ

کا حکم منسوخ نہیں ہوا بلکہ وہ حرمتِ شراب کا مقدمہ اور تمہید تھا۔
ایک تاریخی واقعہ ہے کہ روسی لوگ بُت پرست تھے۔ ان کا ایک وفد تحقیقِ مذہب کے لئے جب قسطنطنیہ پہنچا تو مذہبِ اسلام ان کو پسند آیا۔ نواہی میں شراب پینا بھی تھا۔ روسی وفد نے کہا ہم سرد ملک کے رہنے والے ہیں بغیر شراب کے آرام سے نہیں رہ سکتے۔ علماء نے ترکِ شراب پر شدومد سے تاکید کی جس کا نتیجہ روسیوں کا نصرانی ہو جانا تھا۔ اگر کفر کے مقابل نشہ سے خاموش ہو جاتے، بڑے شر کے مقابل چھوٹے شر کو اختیار کر لیتے تو اتنی بڑی قوم اسلام کے ہاتھ سے نہ نکل جاتی۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ایک ہی دفعہ میں شراب کو حرام کر دیتا۔ مگر نہیں! اس نے بمراحل، رفتہ رفتہ اس کو حرام فرمایا۔
علماء اسلام کو بھی چاہیے کہ نومسلموں کو پہلے توحید کی، پھر دوسرے اہم ارکان کی تعلیم دیں، پھر رفتہ رفتہ ایک ایک حکم کا پابند بنائیں۔ ابھی غریب مسلمان ہوا، اس کی ختنہ بھی کروا ڈالی، فرض نمازوں کے ساتھ سُنتوں کی بھی تاکید کی، روزوں کے ساتھ تراویح بھی لگا دی۔ ان سب باتوں کی پابندی آہستہ آہستہ کروائی جائے۔ فرض کے برابر سنن و نوافل کو اہمیت نہ دی جائے۔ غریب نومسلم پر اللہ رحم کریں۔

(۵) پیغمبر کا حکم فرض بھی ہوتا ہے اور مباح کی بھی اجازت دی جاتی ہے پہلے ایک حکم فرض ہی کیوں سمجھا جائے کہ بعد میں اس کی منسوخیت کو ماننا پڑے۔ یا یوں سمجھو کہ بعض احکام قانونی ہوتے ہیں اور بعض احکام اخلاقی۔ اخلاقی حکم کو قانونی ہی کیوں مانا جائے کہ اس کی منسوخیت لازم آئے۔ اخلاقی قانون کی خلاف ورزی پر قانون گرفت نہیں کرتا۔

(۶) بعض وقت ایک جملہ کے دو[2] معنے ہوتے ہیں متکلم کا ایک مقصد رہتا ہے اور لوگ اس کے ایک جُدا معنے سمجھتے ہیں متکلم دوبارہ صاف الفاظ میں اپنے مقصد کو ظاہر کرتا ہے، لوگ سمجھتے ہیں پہلا حکم منسوخ ہو گیا، حالانکہ پہلا اور دوسرا حکم دونوں ایک ہیں، لوگوں کے سمجھنے میں غلطی ہوتی ہے۔

(۷) بعض دفعہ ایک خاص واقعہ کے متعلق حکم دیا جاتا ہے اور قید اتفاقی رہتی ہے۔

ایک دوسرے جملہ میں وہ قیدِ اتفاقی نہیں رہتی بلکہ عام حکم رہتا ہے جو مقصود و مدارِ حکم ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ مقید حکم منسوخ ہو گیا۔

(۸) بعض دفعہ ایک امر کے متعلق ایک حکم دیا جاتا ہے اور لوگ اس امر پر دوسرے امور کو قیاس کر کے اس حکم کو متعدی کرتے ہیں۔ حالانکہ امرِ اول میں خصوصیات ہوتے ہیں، جن کی بناء پر حکم دیا گیا ہے اور وہ حکم دوسروں کے لئے متعدی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا امرِ اول پر جو قیاسات کئے جا رہے ہیں ان کے خلاف حکم دیا جاتا ہے۔ اس طرح ان کے قیاسات غلط اور قیاس مع الفارق ثابت کئے جاتے ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔

(۹) لوگ سمجھتے ہیں کہ مدنی آیتوں سے جو غلبۂ اسلام کے زمانہ میں اتریں، مکی آیتیں منسوخ کر دی گئیں۔ ذرا کوئی غور کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ ان کا دین ایک مخصوص زمانے کے لئے نہیں ہے، قیامت تک رہنے والا ہے۔ کیا مسلمان ہمیشہ غلبہ میں رہے یا غلبہ میں ہیں؟ کیا تمام ممالک کے مسلمانوں کی ایک ہی حالت ہے؟ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ ترکوں اور افغانوں کی مدنی حالت ہے۔ عراق و شام و فلسطین والوں کی، اور اب تو ایران کی بھی مکّی حالت ہے۔ ہر ایک حالت کے لئے اس کے مناسب آیت و حکمِ قرآن ہے۔ حالت بدل گئی تو حکم بھی بدل گیا۔ لہٰذا مکی آیتیں بھی منسوخ نہیں بلکہ مدینہ والوں کے مناسبِ حال نہیں۔ کیا مدینہ میں جب آیت سیف اتری تو مکّہ والوں نے اس پر عمل کیا؟ کیا اس آیت پر عمل نہ کرنے سے وہ سب عاصی تھے؟ ہرگز نہیں۔ زمانہ گردش کرتا رہتا ہے۔ بعض مدنی آیتوں پر عمل کرنا اصولی آیات، وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ (بقرہ: آیت ۱۹۵) اور لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔ (بقرہ: آیت ۲۸۶) کے خلاف ہوتا ہے پس مکی آیتیں اپنے مقام پر بحال ہیں اور مدنی اپنے مقام پر۔

سہ حضرت بحر العلوم کا یہ رسالہ ۱۹۴۱ء کا لکھا ہے جبکہ دوسری جنگِ عظیم کو چھڑ کر کچھ ہی عرصہ گذرا تھا۔ سلطنت برطانیہ پر ابھی سورج غروب نہیں ہوا کرتا تھا اور مذکورہ مسلم ممالک برطانیہ اور یورپ کی استعماری طاقتوں کے راست یا بالواسطہ زیرِ نگیں تھے۔

اب میں پہلے ان دو (۲) اہم آیتوں کے متعلق بحث کرنا چاہتا ہوں جن سے ناسخ و منسوخ کے سمجھنے میں فائدہ ہوگا:

قال اللہ تعالیٰ: مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ط (بقرہ، آیت ۱۰۶) لفظِ "اٰیۃ" کے معنیٰ ہیں نشانی یا علامت، اور کلام اللہ کا ایک فقرہ بھی ہے۔ لوگ اس آیتِ شریف کے معنیٰ لیتے ہیں: "ہم کسی آیتِ قرآنی کو منسوخ نہیں کرتے یا بُھلا نہیں دیتے مگر اس سے بہتر آیتِ قرآنی یا اس کی مثل آیت لاتے ہیں۔

محلِ غور یہ ہے کہ قرآن تو بوعدہ:- اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (الحجر، آیت ۹) محفوظ ہے۔ ابتداء سے اب تک لاکھوں حافظ چلے آرہے ہیں۔ پھر کب اور کونسی آیت بُھلائی گئی۔؟ قرآنِ شریف کی ایک آیت سے بہتر دوسری آیت لانے کے معنیٰ سمجھنا بھی بالکل نامناسب ہے۔ لہٰذا اس کے صحیح معنیٰ ہمارے خیال میں یہ ہیں، "ہم اپنے آثارِ قدرت، اپنی نشانیاں، اگر دور کرتے یا متغیر کرتے ہیں، یا امتدادِ زمانہ کی وجہ سے بُھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کے برابر دوسری نشانی لاتے ہیں۔" دیکھو آثارِ قدرت کے تازہ بہ تازہ جلوؤں کا سلسلہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس ترجمہ پر کوئی غبار نہیں۔ یہ آیت مسئلۂ ناسخ و منسوخ کی اصل ہے، جان ہے۔ قرآنِ شریف کو دیکھیے "اٰیۃ" بمعنیٰ آثارِ قدرت اور نشانی سے بھرا پڑا ہے:

لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا (بنی اسرائیل: آیت ۱) سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا (حٰم السجدۃ: آیت ۵۳) فَاْتِ بِاٰيَةٍ (شعراء۔ آیت ۱۵۴) اِنَّ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (جاثیہ: آیت ۲)۔ وَفِى الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ (ذاریات: آیت ۲۰)۔

ابنِ حزم ظاہری ثبوتِ نسخ میں فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا گذر ایک قاضی کے پاس سے ہوا۔ آپ نے اس قاضی سے سوال فرمایا کیا تم ناسخ کو منسوخ سے ممتاز کرتے اور سمجھتے ہو۔؟ قاضی نے کہا جی نہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تم خود بھی ہلاک ہوئے اور دوسروں کو بھی تم نے ہلاک کیا۔ میں عرض کرتا ہوں کہ قدیم محاورہ میں نسخ کے معنیٰ تغیر کے تھے جیسا کہ بیان کیا گیا۔

پس حضرت علیؓ کے ارشاد کے معنے یہ ہیں کہ کیا تم ان آیات کو جانتے ہو جن سے کسی عام آیت کی تخصیص ہوتی ہو یا اس سے چند لوگ مستثنیٰ ہیں؟

آیتِ دوم کافرون کی سورت میں ہے: لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۚ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۙ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ؕ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۧ

اس کے معنے یہ لئے جاتے ہیں کہ تم کو تمھارا مذہب مبارک، ہم کو ہمارا مذہب مبارک۔ تم ہم کو تبلیغ کرو نہ ہم تم کو تبلیغ کرتے ہیں۔ عیسیٰ بدینِ خود، موسیٰ بدینِ خود، اور پھر یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسلام تو ہمیشہ تبلیغی مذہب رہا ہے اور رہے گا۔ اسلام میں بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ (مائدہ: آیت ٦٧) ہے، يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ (مدثر: آیت ۱ و ۲) ہے۔ اسلام میں عدمِ تبلیغ کا حکم کبھی نہیں دیا گیا۔

دیکھئے، دین کے معنے اگر جزا کے لئے جائیں تو کوئی خرابی پیدا ہی نہ ہو گی۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (سورہ فاتحہ) کے معنی مالکِ روزِ جزا کے ہیں۔ لہٰذا لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ کے معنی ہیں "تم کو تمھارے اعمال کی جزا، اور ہم کو ہمارے اعمال کی جزا ضرور ملے گی۔ یہ حکم نہ کبھی منسوخ ہوا ہے نہ کبھی منسوخ ہو گا۔ پورے سورہ کے معنی ہیں:

"اے پیغمبر! تم کہہ دو، اے منکرو تم جن کی پوجا کرتے ہو میں ان کی پوجا نہیں کرتا اور میں جس کی عبادت کرتا ہوں تم اس کی عبادت نہیں کرتے۔ میرا طریقۂ عبادت جدا ہے، تمھاری پوجا کا طریقہ علٰحدہ ہے۔ تم کو تمھارے اعمال کی سزا ضرور ملے گی اور مجھ کو میرے اعمال کی جزا، ضرور ملے گی۔"

اب میں ان آیتوں سے بحث کرتا ہوں جن کو شاہ ولی اللہؒ بھی منسوخ مانتے

پر مجبور ہوئے۔ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا جۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ج حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ه (بقرہ: آیت ۱۸۰)۔ (فرض کیا گیا ہے تم پر، جب تم میں سے کسی ایک کے پاس موت آجائے، اگر کچھ مال چھوڑے، وصیت کرنا، ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے مناسب طور پر۔ یہ حکم پرہیزگاروں پر لازم ہے)۔

لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت، حدیث: لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ سے منسوخ ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ بھلا قرآن شریف کی آیت اس خبر آحاد سے کیونکر منسوخ ہوگی۔ لہٰذا حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ نہیں! يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِىْ اَوْلَادِكُمْ (نساء: آیت ۱۱)۔ (اللہ تم کو اولاد کے متعلق وصیت کرتا ہے) سے یہ آیت منسوخ ہے اور حدیث لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ اس نسخ کو بیان کرتی ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اصل یہ ہے کہ مختلف اقوام میں ترکہ کے متعلق مختلف احکام و وصیتیں ہوتی ہیں۔ بعض کے پاس، مرنے والا جس کے لئے جو وصیت کرے قابل نفاذ ہے۔ بعض کے پاس صرف بڑا بیٹا وارث ہوتا ہے۔ بعض کے پاس ترکہ میں عورتوں کو کچھ حصہ نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ پہلی آیت میں یہ تکلیفیں اٹھا کر جننے پالنے والے ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ بالکل محروم نہیں ہو سکتے، ان کے متعلق کچھ نہ کچھ وصیت کرنی ضرور ہے۔ گویا کہ یہ آیت، آیتِ توریث کی تمہید ہے۔ پھر خدائے تعالیٰ سب کے حصے مقرر فرماتا ہے۔ غیر وارث قرابت دار مثلاً پوتا جس کا باپ مرگیا ہو، بیٹے کے ہوتے، محروم ہے۔ نواسہ یا نواسی جس کی ماں مرگئی ہو، بیٹی کے ہوتے محروم ہے۔ ان کے لئے اور دیگر امورِ خیر کے لیے باپ بھی ثلث (⅓) مال سے وصیت کرسکتا ہے۔ مگر جن کے حصے اللہ نے مقرر کئے ہیں، اللہ نے جن کے لئے وصیت کی ہے ان کے لئے مرنے والوں کو وصیت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس میں ناسخ و منسوخ کی بحث ہی کیا ہے۔ ایک آیت میں بعض رشتہ داروں کی اہمیت بتلائی گئی ہے اور دوسری آیت میں ان کے حصے خود اللہ تعالیٰ نے متعین فرما دیئے۔

(۲) اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا.... (انفال: آیت ۶۵)۔

یعنی اگر تم میں (۲۰) بیس صابر سپاہی ہوں تو وہ اپنے سے دہ(۱۰) گُنے کافروں پر غالب ہو جائیں گے اور اگر تم میں سے سَو(۱۰۰) ہوں تو ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بعد کی آیت سے منسوخ ہے۔ بعد کی آیت یہ ہے:

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○ (انفال: آیت ۶۶)۔

(اب اللہ نے تم سے تخفیف کردی اور جان لیا کہ تم میں ضُعف ہے۔ اب اگر تم میں سے سَو(۱۰۰) صابر ہوں تو دو سَو(۲۰۰) پر غالب آجائیں گے اور ہزار (۱۰۰۰) ہوں تو دو ہزار (۲۰۰۰) پر غالب آجائیں گے۔)

میرے خیال میں پہلی آیت کے مخاطب وہ لوگ تھے جو فنِ سپہ گری میں ماہر تھے ذاتی شجاعت میں ممتاز تھے، دل میں جوشِ ایمان تھا، خدا پر اعتماد تھا۔ اس طرح ان میں ہر طرح کی قدرت تھی۔ اور دوسری آیت کے مخاطب بعد کے لوگ تھے۔ سابقین کا ایمان، ان کی شجاعت، ان کا فنِ سپہ گری، بعد کے لوگوں میں کہاں تھا۔ لہٰذا بجائے دَہ(۱۰) چند کے دو(۲) چند سے لڑنے کا حکم دیا گیا۔ آیت کا دار و مدار ضعف و قوت پر ہے۔ اگر اب بھی دس مسلمان مشین گن اور بندوق سے مسلح ہوں اور (۱۰۰) سو دشمن تلوار اور لٹھ لے کر حملہ کر رہے ہوں تو اس صورت میں مسلمان قوی ہیں اور ان کو (۱۰۰) سو دشمنوں سے لڑنے سے ہرگز منھ نہ پھیرنا چاہیئے۔ علت کے بدلنے سے حکم بدل رہا ہے۔ اعلیٰ قوت کے وقت دہ(۱۰) گنوں سے، کم قوت کے وقت دو نے دشمن سے نہ بھاگنا چاہیے۔ بس ناسخ و منسوخ کی بحث ہی کب رہتی ہے۔

(۳) اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا... (توبہ: آیت ۴۱۔ جنگ کو نکل کھڑے ہو خواہ

ہلکے پُھلکے ہوں یا گراں بار)۔

لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت آیت لَیۡسَ عَلَی الۡاَعۡمٰی حَرَجٌ..... (فتح: آیت ۱۷) اور لَیۡسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ..... (توبہ: آیت ۹۱) سے منسوخ ہے۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مُراد خِفَافًا سے یہ ہے کہ ضروریاتِ جہاد مثلاً سواری، خادمین، سامان خورد ونوش کی مقدار کم از کم موجود ہو۔ اور ثِقَالًا سے مراد یہ ہے کہ اشیاء وافر ہوں، اب نسخ نہیں رہا۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اِنۡفِرُوۡا کے مخاطب عام لوگ ہیں۔ ان سے معذورین مستثنےٰ ہیں اور استثناء نسخ نہیں ہو سکتا۔

(۴) اَلزَّانِیۡ لَا یَنۡکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوۡ مُشۡرِکَۃً ۫ وَّ الزَّانِیَۃُ لَا یَنۡکِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوۡ مُشۡرِکٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۝ (نور: آیت ۳)

(زانی نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ سے، اور زانیہ کو نکاح نہیں کرتا مگر زانی یا مشرک۔ اور یہ تو حرام ہے ایمان والوں پر)۔

مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت، آیتِ وَاَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ..... (نور: آیت ۳۲۔ نکاح کرو بے خاوند عورتوں کو) سے منسوخ ہے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ امام احمدؒ نے اس کے ظاہری معنٰی پر حکم دیا یعنی زِناکار عورت سے مردِ متقی کا نکاح حرام ہے۔ بلکہ زانی یا مُشرک اس سے نکاح کر سکتا ہے۔

میں عرض کرتا ہوں کہ مسلم عورت چاہے زانیہ ہی کیوں نہ ہو، مشرک اس سے نکاح نہیں کر سکتا۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں، اور دوسرے ائمہ کے پاس اس کے یہ معنٰی ہیں کہ مرتکب کبیرہ، زانیہ ہی کا کفو ہو سکتا ہے۔ یعنی متقی عورت کا کفو زناکار مرد نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی عورت نے غیرِ کفو سے نکاح کر لیا تو رشتہ داروں کو نکاح فسخ کرا دینے کا حق ہے کیونکہ اس سے ان کے خاندان کی ذلّت ہوتی ہے، اور فرماتے ہیں کہ زانی سے نکاح کرنا مستحب نہیں ہے۔ حُرِّمَ کے معنٰی "مستحب نہیں" کرنا کچھ دل کو نہیں لگتا۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ ذٰلِکَ کا اشارہ زِنا اور شرک کی طرف ہے نہ کہ نکاح کی طرف۔

اس تاویل پر نکاح زیرِ بحث ہی نہیں رہتا۔ فقیر کے خیال میں اس آیت سے کوئی حکم نہیں دیا گیا بلکہ ظاہر کیا گیا کہ طبعی طور پر بدکار مرد، بدکار عورت ہی کی طرف توجہ کرتا ہے۔ اگر حکمِ امتناعی ہوتا تو نہی ہوتا اور لا ینکح آخر کے جزم کے ساتھ ہوتا۔ مگر قرآن شریف میں تو لَا ینکحُ بہ ضمۂ آخر ہے۔ نیز جو عورت تائب ہو جائے وہ کمن لا ذنب لہ میں داخل ہو جاتی ہے اور اس آیت کے مصداق سے نکل جاتی ہے۔ ہاں ایسی عورت سے جو اس پیشہ کو چھوڑنا نہیں چاہتی اس سے نکاح درست نہیں کیونکہ یہ نکاح قلتبانی ہوگا نعوذ باللہ۔ یا نکاح کے لغوی معنے لیں، یعنی جماع۔ پس معنی یہ ہوں گے کہ بدکار عورت سے ناجائز تعلقات بدکار مرد یا مشرک رکھ سکتا ہے۔ ایمان داروں کے پاس تو بدکاری حرام ہے۔ اس وقت ذٰلِکَ کا اشارہ زنا کی طرف ہوگا۔

(۵) یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (مجادلہ: آیت ۱۲)

(اے ایمان دارو! جب تم سرگوشی کرنا چاہو رسول سے تو اس سرگوشی سے پہلے مسلمانوں کی کچھ مالی مدد کرو، خیر خیرات کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، پاک تر ہے۔ اگر تم نادار ہو، دینے کے لئے کچھ نہیں پاتے، تو اللہ غفور رحیم ہے)۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت، بعد کی آیت سے منسوخ ہے۔

میں عرض کرتا ہوں کہ اس آیت سے خیرات کی فرضیت کب نکلتی ہے! اس میں تو خَیْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ ہے۔ خیریت و طہارتِ صدقہ ناقابلِ نسخ ہے! اس میں بھی تو ہے کہ اگر تم نادار ہو تو اللہ غفور رحیم ہے۔ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانے میں بعض نادان اپنی عزت اور بڑائی ثابت کرنے کو سرگوشی کیا کرتے اور بات کچھ اہم نہ ہوتی۔ تو حکم دیا گیا کہ مسلمانوں کی مالی امداد کر کے خود کو پہلے ہمدردِ مسلمین تو ثابت کرو، پھر پیغمبر سے سرگوشی کا ارادہ کرنا۔ پیسہ تو ہاتھ سے نہیں نکلتا اور راز کی باتیں پیغمبر کو سنانے کا دعویٰ! بعد کی

آیت میں ہے کہ اگر پیسہ خیرات نہیں کرتے تو نماز، زکواۃ وغیرہ کاموں سے اپنے نیک ہونے کا ثبوت دو، پھر پیغمبر سے سرگوشی کرنا۔

صاحبو! اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السّلام اور ہارون علیہ السّلام کو فرعون کی تبلیغ کے متعلق فرمایا: فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا (طٰہٰ: آیت ۴۴) یعنی فرعون کے ساتھ نرمی سے گفتگو کرو۔ اسی طرح حبیبِ خدا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا: وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (نحل: آیت ۱۲۵) یعنی بہترین طریقہ سے منکرین سے مناظرہ کرو، ان کو سمجھاؤ ان مفسرین کے پاس آیت سیف سے یہ آیت اور ایسی آیتیں جو دشمنوں سے مراعات وحسنِ کلام پر دلالت کرتی ہیں سب منسوخ ہیں! ان کو خیال کرنا چاہیے کہ جنگ کا وقت اور ہوتا ہے اور تبلیغ وتعلیم کا وقت جدا۔ حسنِ کلام وحُسنِ سلوک کا حکم ہرگز منسوخ نہیں ہوسکتا۔ جنگ کرنا خلافِ شرافت نہیں مگر بدگوئی بے شک خلافِ تہذیب ہے۔ اسلام کو بدنام نہ کرو، اس کی تہذیب کو عیب نہ لگاؤ۔

اس سے زیادہ ظلم ان مفسرین کے پاس ایک اور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بعض آیتیں تھیں تو قرآن کی مگر ان کے پڑھنے کا اب حکم نہیں، اور ایسی آیت کو ثابت الحکم اور منسوخ التلاوت کہتے ہیں مثلاً الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما۔ یعنی بوڑھا بوڑھیا زنا کے مرتکب ہوں تو ان کو سنگسار کردو۔

محصَن ومحصَنہ یعنی شادی شدہ کی سنگساری کا حُکم سابقہ مذاہب میں تھا اسلام نے اس کو باقی رکھا۔ کوئی تازہ حکم نہیں دیا۔ مگر غیر شادی شدہ کے لیے حکم جَلد یعنی دُرّے مارنے کا حکم دیا۔ اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ میں الف لام عہدی ہے۔ اس سے غیر محصَن وغیر محصَنہ مراد ہیں۔ قرآن کے غیر محفوظ ہونے کا الزام یہود اور ابنائے یہود کے دسائس سے ہے۔ اس چکّر میں بعض سادہ دل علماء آجاتے ہیں۔ ذرا یہ بھی غور کرو کہ شیخ کے معنے بڈھے کے ہیں یا شادی شدہ کے؟ جوان بھی شادی شدہ ہوسکتا ہے اور بوڑھا بھی غیر شادی شدہ رہ سکتا ہے۔ پھر شیخ کے معنیٰ شادی شدہ لینا زبردستی ہے۔ اچھا!

شیخ کا مؤنث عجوز ہے یا شیخۃ؟ أَنَا عَجُوزٌ وَّهٰذَا بَعْلِي شَيْخًا (ہود ۷۲)
شیخۃ کا لفظ کسی شعر میں، کسی کتاب میں نہیں ہے۔ میں اس کو قرآنِ شریف پر ظلم سمجھتا ہوں۔
قرآنِ شریف متواتر ہے۔ اس سے ایک لفظ زیادہ نہیں، ایک لفظ کم نہیں۔ فقیر کو قرآنِ مجید
بہ روایتِ عاصم کوفی رح، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت زید بن
ثابت، حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہم سے، جو سب کے سب حفاظ تھے، متواتر طریقہ پر
پہنچا۔ اس معتبر و متواتر روایت کے خلاف فقیر ایک لفظ بھی غیر متواتر، آحاد کا سننا نہیں
چاہتا۔ قرآنِ شریف کو ناقابلِ اعتبار بنانے کے لئے منافقوں نے یہ فتنے پیدا کئے ہیں۔ مگر کوئی ان
سے پوچھے کہ ایک روایت کی تو تصحیح کرو، متواتر تو کجا، خبرِ آحاد سے بھی قرآن کے خلاف ایک
حکم کا ثبوت ممکن نہیں۔ قرآنِ شریف محفوظ ہے۔ ابتداء سے اب تک حفّاظ اور قُرّاء اس کے
تواتر کی حفاظت کرتے آئے ہیں۔ اس متواتر کے مقابلہ میں کوئی روایت، کوئی دعوے
ناقابلِ اعتناء ہے۔ جس کی خدا حفاظت کرے اس میں کسی کی مقدور نہیں کہ کچھ تحریف کر سکے۔
اللہ تعالیٰ ان دسائس اور ان وساوس سے مسلمانوں کو بچائے۔ آمین۔

چند سطور بحر العلوم رح کے بارے میں

شمس المفسرین شیخ المحدثین استاذ العلماء بحر العلوم حضرت محمد عبد القدیر صدیقی حسرت رحمۃ اللہ علیہ حیدرآباد دکن کی ایک ایسی عالم شخصیت تھے، جن کو بجا طور پر بحر العلوم اور استاذ العلماء کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ کی ولادت بروز جمعہ ۲۷ رجب ۱۲۸۸ھ (۱۳ اکتوبر ۱۸۷۱ء) حیدرآباد دکن کے ایک مشہور علمی گھرانے میں ہوئی۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات بدرجۂ امتیاز کامیاب فرمائے اور ابتداءً آپ کا تقرر دار العلوم پر ہوا۔ جو اس زمانے میں حیدرآباد دکن کی مشہور درسگاہ تھی۔ جب عثمانیہ یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ تو آپ پروفیسر اور صدر شعبۂ دینیات مقرر ہوئے۔ بذریعہ شاہی فرمان آپ کی ملازمت کی مدت میں دس سال تک مسلسل توسیع ہوتی رہی۔

آپ نے قرآن مجید کی مکمل تفسیر لکھی۔ جو "تفسیر صدیقی" کے نام سے پاکستان سے شائع ہوئی۔ حیدرآباد دکن میں تفسیر کی طباعت کا کام چل رہا ہے اور انشاء اللہ جلد پایۂ تکمیل کو پہنچے گا۔ ۱۹۷۱ء میں حیدرآباد اکیڈیمی کی جانب سے آپ کا تحقیقی مقالہ "مسئلہ عدم نسخ قرآن" طبع ہوا جس میں آپ نے ثابت فرمایا ہے کہ قرآن شریف کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔ آپ کی تالیف "الدّین" بزبانِ عربی جامعہ عثمانیہ کے نصابِ فقہ میں شامل تھی۔ آپ نے علامہ شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی کی تصنیف فصوص الحکم کا معرکۃ الآرا محشّٰی ترجمہ فرمایا جو جامعہ عثمانیہ کے دار الترجمہ سے شائع ہوا اور کافی شہرت رکھتا ہے۔ تصوّف میں آپ کی کئی تصانیف ہیں۔ جن میں حکمتِ اسلامیہ، المعارف، العرفان، التوحید (بزبانِ فارسی) اور مکاتیب عرفان شامل ہیں۔

آپ حسرت تخلص فرماتے تھے اور عربی، فارسی اردو اور ہندی میں شعر کہتے تھے۔ آپ کا مجموعۂ کلام "کلیاتِ حسرت" کے نام سے زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔

آپ نے ۱۷ شوال ۱۳۸۱ھ (۲۴ مارچ ۱۹۶۲ء) بروز شنبہ بوقتِ عصر اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔

محمد عباس علمبردار صدیقی
مہتمم حسرت اکیڈیمی و کتب خانہ بحر العلوم رح
صدیق گلشن حیدرآباد